

"او سلطان ہے"

"پہلے وہ بھی کہتا تھا عمر پلے۔ جب اُس نے دیکھا کہ میں ہر صحت میں ساتھ چلا ہی جاؤں گا تو میری طرف واری کرنے لگا۔"

"تم نے کیا کہا ہے؟"

"میں نے کہا میں میں کوں تک میں علاقے کے لیک ایک ایک پتھر کو جاتا ہوں۔ عمر میرا مقابلہ کیا کرے گا۔ میں عمر پلے جا چکا ہے۔ میں یہی بات ہے۔"

"اس قدر چپ پاپ کیا بائیں کر رہے تھے ہے اس نے پڑھا۔"

"چھانے کام خراب کیا ہے سارا۔ اُس نے حکم لگادیا کہ یہاں پاس پاس کے علاقے میں کار رانی نہیں ہو گی۔ میں کہتا ہے پہلے ہی ہمارے بہت سے آدمی چھاپے میں چلے گئے ہیں۔ اگر پھر اتنی جلدی ادھر گرد بڑھ لی تو ہمارا کام سارا تباہ ہو جائے گا۔ لوگ مخالف ہو جائیں گے۔ بھی اُس کے ساتھ بحث کر رہا تھا۔"

"یہ اُن کا یہ شد تھا ہے" اس نے پڑھا۔

"نہیں۔ یہ تو سپاہی ہے، ہی نہیں۔ کوئی اور کوئی ہے۔ شاید تمہارے جیسا ہے۔ نیا ہے۔"

"پیسے بھی لایا ہے ہے؟"

"ہاں۔"

"سپاہی کہاں پہ جیں ہے؟"

"لگری سے چار کوس ادھر۔"

"اتھی دور ہے؟"

"ہاں۔ چھانے کام خراب کیا ہے۔ وہ علاوہ اچھا نہیں۔"
"کیوں؟"

"کیاں کم میں۔ جو میں چوری چوری میں جیسے سوکھے ہوئے دریا ہوں۔ رُک کے ادھر ادھر میان بہت ہے۔ خیر، وہ بولا۔" ایک آدمی جگہ اپنی ہے۔"

"تم اُس علاقے کو جانتے ہو ہے؟"

"ہاں۔" ریاض نے کہا، "چلو گے ہے"

"یہی بات تم نے کی ہے ہے؟"

”نہیں۔ مگر تمہیں کس کا ڈر ہے۔ چلے چلن۔“

”اگر دا پس کر دیا توہ بہ۔“

”توہیں کہہ دوں گا تھا رے بغیر یہیں نہیں جاتا۔“

اسد کی گروں میں خون تیزی سے دوڑ راتھا اور اُس کے ذل میں سنا ہٹ پھر رہی تھی۔ وقت کے
رداؤ کو ایک اور وحکار کا تھا اور اُس کا گھیر انوٹ راتھا۔ اب اُس کا مدن بلکہ چلکا تھا اور اُس کے
تمہروں میں آڑان تھی۔

”ماں کرنہ بتانا۔“ ریاض نے کہا۔

”اچھا۔“

رات کو جب وہ سونے کے لیے لیٹا اور اُس نے ان بھیں بند کیں تو سلاخوں والے چہرے کوئی فور
پیچھے جا پکھے تھے۔ اب اُس کی آنکھوں کے آنکھے، ہمیشہ کی طرح، یاسیں کا مبتسم ہپڑہ اور فیض کا آرام تھا۔

(۱۰)

سپر کے وقت ریاض اور اسد گھر سے روانہ ہوئے۔ لنگری کا گاؤں چار کوس سے اُس طرف تھا۔ وہ دونوں چار کوس کے راستے سے جانے کی بجائے اوپر سے ایک لمبا پٹکاٹ کرنگری پہنچے۔ دہائیوں وہ جبار کے گھر پڑ کے۔ جبار اُس علاقوے میں آن کا اپنا آدمی تھا۔ اسد کو اُس کی نسل جانی پہچانی گئی۔ اُس نے خیال کیا تراۓ یاد آیا کہ جبار آن تین ادویوں میں سے ایک تھا جو رات کو دین کے گھر پر دیوار کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ جبار نے کڑی مشکل کاظموں سے اسد کو دیکھا۔

”یہ علی ہے۔“ ریاض نے اُس سے کہا۔

”عمر نہیں آیا ہے۔“ جبار نے پوچھا۔

”میں اور علی جا رہے ہیں۔“

جبار نے آہستہ آہستہ دو تین بار سر ٹلایا۔

پھر دیر کے بعد اسد نے ریاض سے پوچھا: ”جبار میرسن کو جانتا ہے۔“ ریاض نے جبار سے ذکر کیا تھا

آس نے جواب دیا کہ وہ بیلے کے تقریباً سب آدمیوں کو جانتا ہے، مگر اس نام کا انہیں کوئی نہیں۔ اسدائس کا
حلیریان کرنے لگا، پھر خاموش ہوا۔ اس سور کا پتا نہیں کیا نام ہے، ادھر اس نے سوچا۔
چہار کے گھر پر انہوں نے شام کا وقت گزارا اور کھانے پینے سے فارغ ہوتے۔ جب انہیم پر گیا
نورہ رہا۔ سے چل پڑے۔ رات انہیم تھی۔ اس علاقے میں اسد پہلے نہیں آیا تھا۔ لگنگی سے نکل کر اس
نے دیکھا کہ پہاڑ کھلنے شروع ہو گئے ہیں اور ستاروں کی روشنی دو تک جانے لگی ہے جس سے ظاہر ہتا تھا کہ
میدانی علاقہ جگہ جگہ نووار ہوا ہے۔ اسد نے اندازہ لگایا کہ یہ علاقہ پہاڑوں کے پیچے ایک سربرداری کی شکل میں تھا
جہاں کی اور موجودی کی کاشت ہوتی ہوگی۔ درختوں کی اگاس ایک طبقی دیکھ جگہ جگہ گئے جنہوں تھے جو غاباً اکا دا
کاشت کا سدل کے سکان تھے۔ وہ ان جنہوں اور کھیتوں سے پہنچتے بچاتے، پہاڑ کے ساتھ ساتھ سفر کرتے
رہے۔ ریاضن آگے آگے چلا جا رہا تھا۔

”وہ سلسلہ والی پہاڑی ہے نا چ“ ریاضن نے کہا۔

”ہاں۔“

”ایک چوکی ہے۔“

”پولیس کی؟“

”فوجیوں کی۔ شرک کی حفاظت کے لیے بیٹھے ہیں۔ بھی نہیں جلاتے سُند۔ یہ رہتل سے جاتا ہے جس کو
پتا زہزادہ سیدھا چوک پہنچ جاتے۔“

”رچاہا لد نے مروعہ ہو کر کہا۔“

”اب کھیتوں کے اندر سے چکر کا ٹناؤ پڑے گا۔ پچھائے سارا کام خراب کر دیا۔ ہمارا فس کلاس علاقہ تھا۔
جہاں چاہو کر کر مار لو۔“

”آہستہ رو۔“ اسد نے کہا، ”آواز و درجاتی ہے۔“

”مجھے آواز کا اندازہ ہے۔ چوکی ہمک نہیں جاتی۔“

”سلطان شیک ہی تو کہتا ہے۔“ اسد نے بات کی، ”سب دگ کپڑے گئے تو پھر ہے۔“

”ہنہہ۔“ ریاضن خمارت سے بولا، ”سوچا پے پڑ پکھے ہیں، ابھی تک ہمارے زیادہ آدمی باہر ہیں۔ ڈنما
ہے بیساکی ہرگیا ہے۔“

وہ اب یہی آسمان کے نیچے سے گزر رہے تھے جہاں لکھے لکھے باہل تھے۔ تاریکی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

وہ درختوں سے دور دور کسانوں کے گتوں سے خبردار، راستہ چھپوڑ کر پہاڑی کا پچکر کامٹتے ہوئے دوسری طرف نکل گئے۔ یہاں آسان پہاڑ نتھے اور رات صاف ہوتی چاہی تھی۔ اس ایک پہاڑی کو طے کرنے میں ایک گھنٹہ صرف ہو گیا تھا۔ اس کے نظر دراٹی تو دور آگے تاریکی کا ایک جھنڈ لفڑ آیا جو ملہہ بھاہو آسان سے جا ملتا تھا، جیسے پہاڑ پہاڑ اُترائے ہوں۔ مگر آسان صاف تھا۔

”وہ کیا ہے؟“ اسد نے پوچھا۔

”ست برا۔“

”اپھا؟“ اسد نے کہا، ”جلد ہی ہی پہنچ گئے۔“

”ایمی کہاں؟“ ریاض بولا، ”سرک پار کر کے نیچے اُڑنے ہے۔ پھر تین دھیریوں کا پچکر کاٹنے ہے۔“
”کیوں؟“

”پہلی دھیری پچکر ہے۔“

یہ ساتھ پہاڑیوں کا ایک سلسہ تھا جن کے پیچے سے سرک بیل کھاتی ہوئی گزتی تھی۔ اس کو پہاڑ بھی شمار کیا جاتا تو ایک نہیں بلکہ دو پہاڑ تھے، ایک سرک کے اس طرف اور دوسرا دوسری طرف۔ مگر یہ لوگ اسے ست برا پہاڑ کہتے تھے۔ غالباً کسی زمانے میں ایک ہی پہاڑ ہو گا جس کے پیچے سے سرک کاٹ کر بنانی کئی تھی تین چوڑیاں سرک کے اس طرف تھیں اور چار اس طرف۔ اسہ دھیران تھا کہ فوجی چوکی پہلی چوٹی پر کیوں واقع تھی جب کہ دریاں کی کسی چوٹی سے سرک کی بہتر بجداشت ہو سکتی تھی۔ مگر ریاض نے اسے بنایا کہ پہلی چوٹی کے پاس سرک سب سے نیچوڑ تھا اور بیل دار تھی اور گاڑیوں کو بہت جسمی رفتار سے لے جانا پڑتا تھا۔ جملے کے لیے یہ دھیرین جگہ تھی۔
اگے چاکر سرک پیدھی ہو جاتی تھی اور پہاڑ کھل جاتا تھا۔

”یہ جگہ کس نے تجویز کی تھی؟“ اسد نے پوچھا۔

”میں نے۔“ ریاض فخر سے بولا۔

”کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں پہچکر کی نہ ہو۔“

”اگے دس کوں پہاڑ ہے، مگر اس کے پاس ایک پورا کمپ پڑا ہے۔ اس علاقے میں اس سے بہتر کوئی جگہ نہیں۔“

”چوک کے قریب حمل کرنے میں خطرہ نہیں ہے۔“

”خطرہ تو ہر جگہ ہے۔ چوک پہ بیٹھے بیٹھے پاؤں پھسل جانتے تو تمہارا پہاڑی بھی نہ چلے۔“ ریاض مہنگا کر بولا، مگر

ہم اس طرف کی چوتھی دھیری سے کریں گے۔ چوک سے ایک کوس پر ہے:

”آواز نہ آئے گی ہے؟“

”ادنہوں۔“ ریاض نے نقی میں سر بلیا۔ ”پسچ میں دو اپنی دھیریاں پر تی ہیں۔“

”ادن آواز جو پہاڑیوں میں پٹ پٹ کر جلتی ہے؟“

”کہیں کہیں جلتی ہے۔ ان میں نہیں چلتی۔ جہاں ہم ماریں گے اُس کے سامنے کچھ بھی نہیں، لہکتی ہے نہ پہاڑ۔ کھینچیاں ہیں۔“

”وہاں کے کی آواز بھی نہیں آتی؟“

”ادنہوں۔“

”فوجوں کو کس بات کا علم نہیں؟“

”ہو گا۔ مگر وہ برسختے ہوں گے وہاں کوئی بیرونی ہی حذر کرے گا۔ اُن کا دامن بھی زیادہ نہیں چلتا۔ ستحمار

چلتے ہیں۔“

اسد اُس کی بیماری سے مر گیا۔ اُس نے انہیں میں پیار سے اُس فوجان رنگ کی طرف دیکھا جو ایک عالم کشمیری کسان تھا مگر اپنی جان سے بے خبر تھا، اور اسد کے دل میں اُس کی خاطر ایک دوسرا پیدا ہوا۔ ساتھی اُسے خیال آیا کہ اگر بیخ خص دقت کی زد سے پسچ رہا تو چند سال میں ایک علاقے کو سنبھالنے کے قابل ہو جائے گا۔

انہیں نے اُپنے نیچے کھیتوں میں سے رستہ نکال کر، چھوٹے ٹڑے پھر دن کر پھر دن کریا۔ اُنہیں ہر چند دنوں سے سڑک پار کی اور دوسری طرف اتر گئے۔ انہیں دن میں سایوں کی ہائی مسٹلی متحرک، دو پہاڑ کی پھیل ہوئی جڑوں کے ساتھ ساتھ سفر کرتے رہے۔ آخر دوسری پہاڑی کے عقب میں پہنچ کر ریاض پہلی بار رکاما۔ پہاڑ کی جانب پٹشت کر کے وہ ایک منٹ کم میں طرف تظر دوڑا تارہ۔ کچھ دور پر درختوں کے چند جنبدیتے۔ اُس نے ان میں سے دُھن پنڈ والے جنبد کی سیدھی اور پل پڑا۔

یہ جگہ جو دور سے گھنٹا جنبد صدوم ہوتی تھی اہل میں درختوں کا ایک کھلاسا ذخیرہ تھی جس میں ایک ملن کو چند جھاریاں اگلی تھیں اور رُشنی اندر زہیں تک پہنچ رہی تھی۔ وہ دلوں چند سیکنڈ تک ذخیرے کے کنارے پر کے چوکس چانوروں کی پڑی اور اُصر دیکھتے رہے۔ پھر ریاض نے مٹھولا اور دھیمی گرصاف آواز میں بولا:

”فس کھاپی۔“

اُس کے بولنے کی دریتھی کو اپوں میں حرکت شروع ہوئی۔ لیکن۔ لیکن۔ آہنی ستحماروں کی خصوصی آوازیں۔

اس نے آنکھیں بچلا کر دیکھا کہ جنہیں وہ چھار بیان کیجا تھا وہ آدمی تھے۔ اسد اور ریاض درختوں میں چلتے ہوئے اُس جگہ پہنچے جہاں وہ سب اپنے کھڑے تھے۔

”ریاض؟“ ان میں سے ایک بھاری سرگوشی میں بولا۔

”ہاں۔“

”فرست کلاس۔ ٹھنڈیں کیا ہے؟“

”ٹھنڈیں ۔“

”یہ کون ہے؟“

”علیٰ عصر کی جگہ آیا ہے۔ سارے علاقے کا واقف ہے۔“

اسد اُس کی دیرہ ولیری پشتر رہ گیا۔

”ہوں؟“ اُس آدمی نے سر ہلاتے ہوئے، اذھیرے میں سخت نظر وہ اس دکو دیکھا۔ ”علی۔“ اُس نے زیرِ لب دہرا دیا۔ مجھے بتایا گیا تھا یا تم آؤ گے یا غیر۔ ”وہ ریاض سے بولا،“ ہمیں ایک کی خودرت ہے۔ فالتو آدمی کو ساتھ نہیں لے جائے گی۔

”علی فالتو نہیں۔ میرا ساتھی ہے۔“ ریاض جرأت سے بولا، ”ہم دونوں ساتھ چلتے ہیں۔“

”بائز سے کاہے؟“

”ہاں۔“ ریاض نے برہما کہا۔

اسد کو اس پر غصہ آئے گا۔ اُس کا ارادہ تھا کہ اگر بات زیادہ بڑھی تو وہ اپنا آئندہ نہیں کر دے دیتے۔ اس کا ارادہ تھا کہ اگر بڑے لوگ، جرغاں پیشیل سروہنگر گردپ سے تعلق رکھتے تھے، اُسے سمجھ جائیں گے۔ اُس کے بعد بھی اگر وہ اس مشن پر اسے ساتھ لے جانے پر راضی نہ ہوئے تو خیر ہے، وہ لوث آئے گا۔ مگر اب ریاض نے اُس کی عملیت کر چکا کر کام خراپ کر دیا تھا۔ اب اگر وہ کچھ کہتا ہے تو ریاض کا کیا بنے گا، اس نے سوچا؟ اس کو اس کام کا تجربہ تو نہ تھا۔ مگر اس کے مرٹے موٹے اصولوں سے وہ واقف تھا۔ چھوٹے سے چھوٹا شہر بھی ہو تو سب کام کی نیز اور بھگے کی راہ نہ، یہ اس کا پہلا ہجرت تھا۔

اسد یہ سوچ رہا تھا کہ وہ آدمی جو اس گردپ کا پیدا معلوم ہوتا تھا، اُس کی طرف متوجہ ہوا۔

”لے لائے۔“

”تم اس علاقے میں رہے ہوئے؟“

”ہاں۔“

"کہاں رہے ہو جے کیا کرتے رہے ہو ہے؟"

وہ بارہ سال کی عمر تک لگنگی میں رہا ہوئی۔ اسد نے کشیری بھی میں جواب دیا۔

وہ شخص ایک منٹ تک اسد کو دیکھتا رہا۔ اسد کو وہ ایک ایسے جانور کی طرح معلوم ہوا جو راجانک کو د کر اپنے شکار کر دیج رہنے کی غرض سے بدن کو سنبھال رہا ہو۔ پھر وہ آدمی مڑا اور چار قدم دوڑ جا کر ڈاہوا۔ وہاں وہ اپنے گرد پس کے دو اور آدمیوں سے آہستہ آہستہ باقی کرنے لگا۔ ایک بخوبی بات کر کے وہ نینوں خامش ہو جاتے، پھر وہ سرگوشیوں میں پہنچنے لگتے۔ چند منٹ تک اسی طرح وہ باقی کرنے رہے۔ پھر ان کا پیدا ریاض اور اسد کی جانب بڑھا۔

"مجھے بتایا کیوں نہیں گیا؟" اس نے سختے سے بات کی، "مجھے پہلے اطلاع کیوں نہیں دی گئی ہے؟"

"میں نے رات کر کہا تھا عمر نہیں آسکتا، میں آؤں گا۔" ریاض نے ایک اجتماعہ دیل پیش کی۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔" وہ شخص بے صبری سے بولا، "آج کا کام ملتوی نہیں کیا جاسکتا۔ مگر میں اس بات کی انکوائری ضرور کراؤں گا۔ میں تمہیں پہلے دارن کر رہا ہوں مجھے انقادم کیوں نہیں کیا گیا ہے جلو؟" وہ شخص سختے ہیں تھا۔ اب وہ درختوں سے نکل کر واپس پہاڑ کی جانب جا رہے تھے۔ اسد نے دل میں فیصلہ کر دیا کہ اب وہ چپ چاپ رہے گا اور جہاں تک ممکن ہو سکا اس گرد پ کے اندر اپنی موجودگی کو کم سے کم خاہر کرنے کی کوشش کرے گا۔ ہاتھیوں لوگ اطمینان سے اس مہم کو سر کر سکیں۔ وہ اب پہاڑ تک پہنچ گئے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ آگے آگے ریاض اور اس کے ساتھ گرد پ پیدا رہا تھا۔ کوئی بنا پیا راستہ نہ تھا، چنانچہ وہ سب ایک لان میں چلنے کی بحکمے بے ترقی سے پھیل کر چلتے ہوئے اپنا اپنا راستہ بنا لائے جا رہے تھے۔ ریاض اور اسد سمت وہ تعداد میں کل رہتے۔ اسد چوتھے نمبر پہل رہا تھا۔ پھر دیر سے اسد بھوس کر رہا تھا کہ ایک آدمی جو اس کے چیچے چلا آ رہا تھا، مستقل اس کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ اگر کوئی چنان رستے میں آ جاتی جس کے گرد سے ہو کر آگے چانا پڑتا تو جس طرف سے اسد جاتا اسی طرف سے وہ آدمی بھی جاتا۔ اسد اگر باہمی مڑتا تو وہ شخص بھی باہمی کو شر جاتا، اگر وہ میں کو جاتا تو وہ بھی وہیں کا رُخ کرتا۔ چلتے چلتے جب راستے میں ایک کاروڑ آئی تو اسد پہلے ایک طرف کو مڑا، پھر جیسے ارادہ بدل کر دوسری طرف کو ہو یا۔ وہ شخص بھی میں اس کی تعقیب میں مڑتا گیا، جیسے اس کی نفل کر رہا ہو۔ پھر دیر کے بعد اسد دل میں اس کھیل سے ٹنگ ہونے لگا۔ اس نے سچا کرنی ایسا طریقہ ہر جس سے وہ اس آدمی پر واصح کر سکے کہ اس کو اس بات کا علم ہے کہ وہ اس شخص کی بگرانی میں چل رہا ہے۔ وہ ایک بار اسد نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا، مگر تاریکی کی وجہ سے ان کی نظروں کا مکڑا اور ہو سکا۔ بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔

رو خاموشی سے چلتے رہے۔

آخر تنگ اُکر ایک جگہ پر اسد اپنے کم رکا اور رُخ بدال کر پھاڑ پڑھنے لگا۔ تو میں قدم اُور پہاڑ کا راس نے شلوار کھولی اور پاؤں کے بل بیٹھ گئی، جیسے پیشاب کر رہا ہو۔ اُس کا گھر ان گھبرا کر اُس کی طرف دیکھتا رہا، پھر وہ بھی شلوار کھول کر جہاں کھڑا تھا پہلے پڑ بیٹھ گیا۔ اسد کان لگائے بیٹھا اشناز کرنا رہا جیسے ہی اُس ادمی کے پیشاب کی اواز اُس کے کان میں پڑی، وہ تیزی سے اٹھا، شلوار باندھتا ہوا بھاگ کر نیچے پے آٹرا، اور تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگا، جیسے اپنے ساتھیوں سے جا طہا چاہتا ہو۔ پیشاب کرتے ہوئے ادمی نے یہ دیکھا تو اُس نے اٹھنے کے لیے ایساں اٹھائیں، اُس کے علقے سے ایک بندی اواز پیدا ہوئی، پھر اُس کی ایساں پتھری ہو گئیں، دوبارہ اٹھائیں پتھری ہوئیں، اُس نے غصتے اور خجالت کی ملی جلی کیفیت میں منکھو لا مگر اواز روک لی۔ اب وہ اپنی اٹھیوں پر مستقل آنڈھا اور بیکھر رہا تھا اور ان بھیں پھاڑ پھاڑ کر اذھیرے میں دیکھ رہا تھا۔ جب تاکی اور آڑ کی وجہ سے اسے کچھ نظرنا آیا تو وہ انہوں کھڑا ہوا اور دستوں میں کوتے کا دامن دھائے اور نوں اتحوں میں شلوار اور پیشاب کی دھار کو سنبھالے تھجکا تھجکا مانپتا ہوا اسد کے پیچھے چل بکلا۔ اسد پیٹ میں ہنسی دباتے آگے آگے چلا جا رہا تھا۔ چند لمبوں کے بعد وہ ادنی پتھروں پر کو دنا پچاندا اسد کے پاس پہنچا۔ اُس نے ماخڑ بڑھا کر مضبوطی سے اسد کا بازو اپنے اتحمیں سختی سے دباتے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ اسد کا خیال تھا کہ اب وہ مرنے کھو لے گا، گالی وے گالیا کچھ برسے گا، مگر وہ کھڑا اُس کی طرف بس دیکھتا رہا، جیسے کہہ رہا ہو۔ خیر ہے نیکے، اس دفعہ چھوڑ دیتا ہوں، مگر اگلی بار یا اور کھو گلا وہا دوں گا۔ پھر اُس نے اپنے کامنک اسد کا بازو چھوڑ دیا اور سر کے اشارے سے اسے پہنچنے کو کہا۔ اسد اطمینان کا سانس لے کر چل پڑا۔

اسد اور اُس کا بھگان اب اس قلنک کے آخر پہلے کے آخر پہلے رہے تھے۔ وہ مختصر سلسلے اواز فانڈہ تیز روی سے چلتا ہے اب آفری سے پہلی پہاڑی کے دامن میں پہنچ چکا تھا۔ اسد ایک چان کے عقب سے نکلا تو اُس نے دیکھا کہ ان کا لیڈر اور ریاض چان کی آڑ میں رکے کھڑے تھے۔ اس دامن کے پاس پہنچ گیا۔

”علی“ لیڈر کر خلگی سے بولا۔

اسد نے خاموشی سے اُس کی طرف دیکھا۔

”تم آگے چل“

”بیس ہے“

”ماں، تم“

”کہاں ہے اس نے ہی تو فوں کی طرف پوچھا۔

”اگلی پہاڑی پر۔“

اس نے ایک لمحے کو ریاضن کی طرف دیکھا۔ ریاضن خاموش کھڑا رہا۔ اسد پے تو قلت چل پڑا۔ تیری سے چلتا ہوا وہ گروہ کے دوسرے لوگوں کو ایک کو کسکے پیچے چھوڑنے لگا۔ چند ہیں سیکنڈ میں وہ سب سے آگے پہنچ چکا تھا۔ گروہ پیدر اُس کے پیچے اور تیری سے نپر پر ریاضن آ رہا تھا۔ باقی چھ آدمی اُن کے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ اس نے ایک بار پیچے مذکور دیکھا۔ اُس کے ساتھ لگا ہوا آدمی کہیں پیچے رہ گیا تھا۔ اُس کی جگہ اب گروہ پیدر نے لے لی تھی۔ اس کے دامغ میں خیالات تیری سے گھوم رہے تھے۔ اُس کی مانگوں میں بلکی سی کیکپاہٹ اُنھنے لگی تھی۔ ایک خیال جو دوسرے سب خیالوں پر حاوی ہوتا جا رہا تھا وہ، اب کیا کروں ہے گھبراہٹ ظاہر ہونے دوں عبے لفہتی سے قدم زد کھوئے ہوتا ہے چلتا جاؤں۔ ریاضن کی باتوں سے وہ اتنا سمجھ چکا تھا کہ اُن کا کام کیا ہے۔ اس پہاڑی سسلے کے بارے میں بھی کچھ تفصیل اُسے مل چکی تھی۔ مگر ان پہاڑیوں سے وہ واقعہ نہ تھا۔ اس وقت وہ آگے آگے جانا ہوا محض اپنی جس کے جھرو سے پہ رستہ نکال رہا تھا۔ اس نے پانچ فائند بگ کی تفصیلات کو یاد کرنے کی کوشش کی، مگر وہ ساری ٹریننگ اب ہیکار ہرچکی تھی۔ اسکی چال میں تبدیل آگئی تھی۔ پہلے وہ لاپرواٹ سے گروہ کے ساتھ چلا جا رہا تھا، اب ضرورت سے زیادہ تیری کے ساتھ، خوفزدہ چوکتے جانور کی مانند جھٹکے دار چال سے چل رہا تھا۔ گروہ پیدر کی نگاہ میں اس پر لگی تھیں۔ اُس کے پیچے چھ اور آدمیوں کی نظریں اس پر تھیں، جن میں سے ایک یک سنجا ہوا فاعل تھا اور اُنھیں پس کر کے اُسے موت کے گھاٹ آتا سکتا تھا۔ اس کے دل میں ریاضن کا خیال آیا۔ ریاضن اکیلا کیا کرے گا؟

آخری پہاڑی کے دامن کے وسط میں پہنچ کر وہ رکا، پھر ایک بحصان کیے بغیر ہائی طرف تک پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ اُس کی کسی جس نے اُسے بتایا کہ اوھر چلو، اوھر سے چولی کو سیدھا راستہ جاتا ہے۔ اُس کا داماغ معطل ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو جیلی قوتیوں کے اشارے پر چھوڑ دیا تھا۔ اس ہمکر پہاڑی میں ایک سلٹ تھی۔ پہاڑوں کا اُس کو اتنا تجربہ ہو چکا تھا کہ اُس نے یہاں پر چھائی کا رستہ پہچان لیا۔ انھوں اُس کے پیچے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔ دل میں اُس نے خدا کا نشکر ادا کیا کہ ستاروں کی روشنی تھی جس میں پہاڑ کی شکل نظر آ رہی تھی۔ اب یہ سطح اچھی جا رہی تھی۔ شاید اسی

درج چلتی جاتے۔

اگر نہ گئی تو ہم ممکن ہے آگے اتنا بڑا شگاف آجائے کہ وہ اپس جانے کے سراکوٹی چاہہ نہ رہے۔ پھر؟ دیہن پول کھل جائے گا۔ پھر وہ کیا کہے گا؟ کہنے کا موقع ہی کہاں بلے کا! ریاضن میں نپر پر تھا۔ اس کے پیچے پیچے کا شو پیدر چلا آ رہا تھا۔ اس کو علم تھا کہ ایک لغزش ہر قی، اور ایک سیکنڈ نہیں لگئے گا، ایک اٹھ پیچے سے آ کر اُس کا

منہ بند کر دے گا اور دوسرے ہاتھ کا چھڑا اس کی پشت میں پھرست ہو جائے گا۔ اسدے اپنی رُنگ کرایا کیا۔
”میں سیکنڈ مجھے ہیں۔ پیاس خداوند کیا کرے گا؟“

اسد کا پاؤں ایک پتھرے پھلتے پھلتے بچا۔ اس کے کافی میں اس وقت صرف پختے قدموں کی اور اپنی نہش
کی آواز آرہی تھی، پیچے بالکل خاموشی تھی، جیسے آٹھ آدمی نہ ہوں سایہ ہیں۔ وہ پیچے مرکر بھی زد بیکھ سکتا تھا۔ آئے
محسوس ہوا تھا کہ وہ اس وقت یہاں پر بالکل اکیلا ہے، اس کے دائیں بائیں، اگے پیچے کوئی بھی نہیں، صرف آگے
ایک قدم زمین ہے اور پھر ایک بہت بڑا شگاف! اس کی ناخنیں میں پسینہ بہہ رہا تھا۔ اندھیرے میں وہ ایک
قدم زمین پر رکھتا تو پھر اگے ایک قدم زمین نظر آتی۔ خوف کی کیفیت اس نے کبھی زد بیکھ تھی۔ جب اس نے اس میں
سیکنڈ کی جلائیت کی تربیت لی تھی تو اس وقت اس کی سرعت کا اندازہ بھی نہ ہوا تھا۔ وہ ایک کھیل تھا۔ اب یہاں
وہ موت کے ہگے ہوا تھا۔ مدافعت کی راہیں سرچتے سرچتے اُسے علم ہوا کہ یہ کتنی بہک تھی۔ وہ مدافعت کے لیے تیار
تھا۔ اسے علم ہوا کہ ایک ہاتھ اس کے منہ پر دائیں طرف سے آئے گا، اور دوسرا پتھرے کی فوج والا اس کے دائیں کندھے
کے نیچے ہا کر لے گا، اور ان دائیں میں اُسے سیکنڈ کا وقہ ہو گا۔ اس ادھے سیکنڈ میں اس نے کیا کرنا ہے؟ اس نے
وایاں کندھا اندر کی طرف موڑ کر، بایاں کندھا باہر کی طرف چھینک کر پاؤں پر گھوم جانے لے اور ساتھ ہی دائیں بینی کی ضرب
سے دشمن کا پتھرے والا ہاتھ دیفلکٹ کرنا ہے۔ اب وہ دشمن کے رد پر ہے۔ اب اُسے سرعت سے اپنی بیٹھ پر گر
کر سیدھا ہالیٹ چلانا ہے اور دائیں پاؤں انداز کر پوری وقت سے دشمن کے پیٹ میں یا بینے پر ضرب لگانی ہے۔
وہ مدافعت کے لیے تیار تھا۔ ہر قدم پر، جیسے ہی اس کا پاؤں محسوس زمین پر پتا وہ دائیں آنکھ کے کونے سے دیکھو
لیتا کہ اندھیرے میں کوئی اُرتا ہوا سایہ تو نہیں۔ اُسے خیال آیا کہ اگر وہ اس شخص کے پنجھ سے پیکر، اُندازے پاؤں
کی ضرب سے ہلاک یا مجروح کر دیتا ہے، تو اس کا اپنا کیا حشر ہو گا؟ یہ آدمی آخر اس کی اپنی فرج کا ایک افسر تھا! اس
خیال نے اس کے ذہن کو اور بھی تیز پر کر دیا۔ کسی لیے وقت کے لیے ہی اس نے ایک بہر سیکھا تھا، اور پہلی بار جسے
استعمال کرنے کا مرتع آیا تھا تو اپنے ہی ایک آدمی پر دار کرنے کے لیے بکر دشمن پر۔ اگر وہ دار کرتا ہے
ترجم، نہیں کرتا تو ما راجاتا ہے۔ اس عجیب و غریب صورت حال نے اس کے دماغ کو مادف کر دیا۔ پھر اس
کو یہ خیال بھی آیا کہ مجرم بخشنے کا تروال ہی پسہ انہیں ہوتا۔ اگر وہ ایک دار بھی کرتا ہے تو چچہ دھرے آدمی اس
کو ایک لمحے میں ختم کر دی گے۔ بیچنے کی کوئی صورت ہی نہیں بخاطرے اور موت کی یہ تیز تر کیفیت بالآخر اس کے
اندر ایک ہمیشہ حسکس بن کر پیدا ہوئی۔ کہ وہ اس پہاڑ پر کید و تہبا ہے۔ اس کا کوئی مددگار نہیں۔ ایک
مقام پر پہنچ کر وہ تھکن سے چور ہو گیا۔

یکپارگی اُس کا دل اچھلا۔ اُس نے آنکھیں بھیلا کر دیکھا کہ چڑی کی روئی ہوئی لیکن آسمان کے مقابلہ تحریک ہتھی۔ ایک وقت میں یہ لکیر اُس کو نظر بھی نہ آہی تھی، پھر جب نظر آنے لگی تو اپنی جگہ پر جم کر کھڑی رہی جیسے آسمان میں گڑھی ہوا اور وہ برسوں تک بھی چلتا جائے تو انہیں ملانے کی سختی نہیں رکھتا۔ اب — اب ہر قدم پر وہ چوتھی آسمان پر حسلتی جا رہی تھی۔ وہ ایک قدم اور پہاڑ اُس کے قبضے میں تھا۔ اسد کا جھی چاہا کہ وہ مٹ کر کھڑا ہو جائے اور آتا۔ آسمان ویسیخ ہوتا جاتا تھا۔ اب یہ پہاڑ اُس کے قبضے میں تھا۔ اسد کا جھی چاہا کہ وہ مٹ کر کھڑا ہو جائے اور بازو ہوا میں بھیلا کر پورے زور سے چھٹے، یہ لو، میں تمہیں لے آیا ہوں۔ اُس کے بدن میں وقت کا ایک سیلا خود کر گیا اور اُس نے قدم تیز کر دیے۔ یہدر، ریاضت اور اسد ایک ساتھ مجھا گئے ہی ہی ہی اور پہنچے اور چوتھی کی دیوار کے ساتھ جا کھڑے ہوئے۔ سامنے ٹرک تھی۔

اسد حیرت زدہ آنکھوں سے اُس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کے پاؤں اُس کو عین اُس جگہ پہنچے آئے تھے جہاں اُن سب کو پہنچا تھا۔ اُس متہم سے ٹرک تک کا پیڈل رستہ مختصر ترین فاصلہ تھا۔ یہاں سے وہ مٹک کر کھڑوں کر تھے۔ اُس کے بدن کی سستی بھی تھی، اسد نے بازو چھاتی پر باندھ کے دونوں ہاتھوں سے گردن اور کندھوں کو آہستہ آہستہ سہلانا شروع کیا۔ اُس کے بدن نے اُس کا ساتھ دیا تھا۔ اُس کے دماغ میں فتح کا حکم نہ کی طرح چڑھ رہا تھا۔ اُس کی جان یک جا اور معتبر تھی۔ فوجی افسر نے ایک لمحے کو اسد کی طرف دیکھا، پھر پیٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اسد اور ریاضت بھی اُس کے ساتھ پلٹے۔ وہاں پر آن تینوں کے علاوہ صرف ایک اور آدمی تھا۔ باقی پانچ اُس راستے کے طول پر، جس سے وہ اور پہنچ رہے تھے، ناصلے فاصلے پر کھڑے تھے۔ تین آدمی وہاں سے نظر آ رہے تھے۔ باقی دو تاریکیں میں نظر دن سے او جعل تھے۔

”رمی ٹریٹ ٹائم کرو“ افسر نے حکم دیا۔

حکم ملنے پر چرتھے آدمی نے کلائی پر بندھی ہوئی چھکتے ہر دو ف والی گھڑی نگلی کی، اُس کی ایک ٹوپی کو چالی دیا کر چلا یا، پھر ایک لمحے کے لیے اپنے پدن کو سنبھال کر اجیسے اڈنے کی تیاری کر رہا ہو، پوری رفتارے ڈھلان پر دوڑ پڑا۔ راستے میں کھڑے جس آدمی کے پاس سے وہ گزرتا، وہ آدمی رستے سے ہٹ جاتا۔ وہ رنے والے کے پر گویا ہوا پر پڑ رہے تھے، اُن سے کرنی آواز نہ سکل رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ چوتھی پر وہ تینوں ساتھ ساتھ کھڑے اندھیرے میں نظریں جمائے رہے۔ پچھے ہی دیر میں وہ شخص درپس آتا ہوا دکھائی دیا۔ اب وہ آرام سے پاؤں جما جما کر چڑھ رہا تھا۔ اُن کے پاس پہنچ کر اُس نے کلائی اگے بڑھائی۔ ”چھیاڑے یکنہ“ وہ پھولی ہوئی سانس کے ساتھ بولا۔

”گدڑا“ افسر نے گھر میں دیکھ کر جواب دیا۔ پھر اس نے بازو ہوا میں اٹھا کر رستے پر بھیلے ہوئے آدمیوں کو اور پڑائے کا اشارة کیا اور پٹک کو دیکھنے لگا۔ ابھی تک وہ اسے پر ایک اُرتی ہوئی نظر دلانے کے علاوہ پچھر زد بولا تھا، چُپ چاہ پہاڑا کام کرتا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں اسی کے دوسرا پہاڑ آدمی بھی ان کے ارد گرد آکھڑے ہوئے۔ دو آدمیوں نے بھاری تھیلے، جو انہوں نے اپنے کشیری گروں کے اندر کندھوں سے لٹکا رکھتے تھے، اٹا کر کر زمین پر رکھ دیے۔

جس مقام پر وہ کھڑے تھے وہ پہاڑ کی سب سے اُپنجی چوٹی نہ تھی بلکہ ایک قدر آدم قدر تی دیوار کی شکل میں بھی تھی۔ وہاں سے دو میں بازدہ پر کوئی دوسروں کی بندھی پر پہاڑی کی سب سے اُپنجی چوٹی تھی۔ افسر نے ریاض سے مخاطب ہو کر چند لفظوں میں اسے بڑایات دیں کہ وہ ایک آدمی کے جا کر اور پوالی چوٹی پر چھوڑ دے، پھر وہ اسیں آگز کر دو دوسرے آدمیوں کو (جن کے نام اس نے لیے) بائیں بازو پر پتھروں کی اس دیوار کی چیخھے لے جائے جو ایک نیم دائرے کی ٹولی میں دڑا چیچھے ہٹ کر سڑک کی جانب واپس جاتی تھی۔ بائیں بازو کی پر دیوار درہمل سڑک سے قریب ترین مقام تھا۔ مگر اس کے آگے راستہ نہیں تھا، دوسروں کی ععودی دیوار کی شکل میں پہاڑ کا کھڑا تھا۔

”علی“ ریاض سے فارغ ہو کر افسر بولا، ”تم میرے ساتھ آؤ۔“

ایک بھاری تھیلے والے آدمی نے اپنا تھیلہ اٹھایا اور ان کے ساتھ ہو لیا۔ ایک چوتھا آدمی بھی ان کے پیچھے چل پڑا۔ چار آدمیوں کا یہ قابلہ اس تھرکی دیوار کو چاند کر دوسری طرف اتر گیا۔ اسے آگے آگے چل رہا تھا۔ اب اس کے دل میں خوف کی رنت تک رہی۔ وہ اس پہاڑ سے پہلی بار اُتر رہا تھا مگر اس کے پاؤں کے آگے کوئی خدا نہ تھا ز کوئی وکر۔ اس کے قدم بے خونی سے پتھریں زمین کو خود بخود تلاش کرتے جا رہے تھے۔ چند منٹ کے اندر وہ سڑک پر کھڑے تھے۔ سڑک پر پہنچ کر افسر نے اس گردہ کی قیادت سنبھال لی۔ اس نے سڑک کو پار کیا اور اس کے ساتھ ساتھ اور پر کھلنے لگا۔ چند قدم جا کر وہ اس مڑا اور سڑک کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا کوئی قدم دوسری طرف نکل گیا۔ یعنیوں آدمی اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ ایک جگہ پر رک کر اس نے سڑک کے پار کی زمین پر نظر درداڑی۔ اس طرف دو تک زمین ہوا رہی۔ آگے جا کر یوں دکھائی دیتا تھا کہ ایک کسی پر قوت تھی۔ کئی منٹ تک وہ وہاں کھڑا اس زمین کے فکر سے کاہو۔ اس پاس کے علاقے کا معانہ کر رہا۔ پھر وہ مڑا اور چلتا ہوا اکر اس تمام پر رک گیا جہاں پر وہ پہاڑ سے اُتر کر سڑک پر چڑھے تھے۔ یہاں سے چوٹی کا دوہری مقام، جہاں پر ان کا اڈا تھا، قریب قریب سیدھی لائی میں تھا۔ اس جگہ پر کئی بار افسر نے چپل کی ایڑیوں سے دبادبا کر سڑک کے دوسری طرف کی زمین کا معانہ کیا۔ ”سخت ہے۔“ اس نے اپنے

دونوں آدمیوں سے مخاطب ہر کر کہا۔ پھر وہ زمین کا خیال چھوڑ کر چوپی کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک ہاتھ ہوا میں اٹھا کر لہرا دیا۔ اور پر سے ایک بازو آسان کے مقابل اٹھا، اور اس میں اس قسم کی حرکت ہوئی جیسے کہ کٹ کی گیند چینکی جاتی ہے۔ چند سینکڑے کے بعد ایک پاؤ بھر کا پتھر ان سے کچھ فاصلے پر اگر جرا اور ملٹھتا ہوا سڑک پر چلا گیا۔ افسر نے اب رنگ بدلنا اور پہاڑ کی عمردی دیوار کی جانب منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ اس نے دوبارہ اپنا ہاتھ ہوا میں اٹھایا۔ اس پارہ اور ہر سے ایک بازو اٹھا اور ایک پتھر ان کے سروں کے اور پر سے گز کر سڑک کے پار زمین پر چاکرا۔ افسر چند منٹ تک اذہبیر سے میں کان لگانے کھڑا رہا۔ چاروں طرف مکمل خاموشی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کوئی کیڑا بھی زمین پر رینگتا تو آواز نہ لکھے گی۔ افسر نے چند بار پھر ساری ایڑی زمین پر ہماری، اور ذرا اہست کے کھڑا ہو گیا۔
”اد کے، سر پر بھاری تھیںے دلے آدمی نے پوچھا۔

”ہاں؟“ افسر نے سر پا کر جواب دیا، ”لگا دو؟“ پھر وہ اسد کی طرف دیکھ کر سڑک کے اشارے سے بولا،

”چلو؟“

دونوں پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ اب افسر آگئے رک گئے تھا۔ اور پہنچ کر وہ دیوار پر چڑھے اور دوسرا طرف چلانگ کئے۔ افسر نے ہاتھ جماڑ کر اور ہر اور ہر دیکھا۔ وہاں پر اب اس کا صرف ایک آدمی کھڑا تھا۔ اس آدمی نے پتا یا کہ آپر آپر ایڈریشن پر اپہر پہنچا ہے، اور گلی محمد اور حق بائیں طرف کر چلے گئے ہیں، ریاض آن کے کر گیا ہے، ابھی واپس نہیں آیا۔ افسر نے اپنے بائیں بازو پر سے آستین اٹھائی۔ اس کی کلائی پر ایک بڑی سی گھری ناشے بندھی تھی۔ اس نے واپس ہاتھ سے اس کا ٹھن دیا اور آسے منہ کے قریب لا کر بولا: ”آپر ایڈریشن کم ان؟“ پھر وہ ٹھن چھوڑ کر سخن لگا۔ چند سینکڑے کے بعد اس میں سے خرخاری ہوئی آواز بھلی۔ ”آپر ایڈریشن ٹولیدر۔ او کے۔ اور۔“ افسر نے دوبارہ ٹھن دیا اور بولا: ”او کے آپر ایڈریشن۔ اور ایڈریشن۔“ پھر اس نے ٹھن کر چھوڑ کر بازو کو آستین سے ڈھک دیا۔

ریاض آن کے پاس آ کھڑا ہوا۔ افسر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور جو ہر سے ریاض آیا تھا اس کو دوبارہ اور ہر سے چلا۔ چلتے چلتے وہ پھر وہ کے پیچے غائب ہو گئے۔ اسد اور دوسرا آدمی وہاں کھڑے رہ گئے۔ اسد کو خیال ہوا کہ شاید یہ وہ آدمی ہے جو شروع میں اس کا گمراں تقدیر ہوا تھا۔ اس نے غرب سے آسے دیکھ کر سچا نے کی کوشش کی۔ مگر اس آدمی کا لباس اور وضع قطع بالکل دوسروں کی سی تھی اور اس کا پھر و دھکا ہوا تھا۔ اسد منہ مدد کر دیوار کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور سڑک کو دیکھنے لگا۔ وہ آدمی سیاہوں کی طرح کام کر رہے تھے۔ چند منٹ کے بعد ریاض اس پر آگیا۔ وہ اکیلا تھا۔ وہ آکر اسد کے قریب دیوار سے گھٹ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ دونوں دیاں دریتیک خارش کھڑے پتھر

پہ ٹھوڑیاں رکھتے، آن وو اُدیبوں کو نیچے سڑک پر کام کرتے اور چلتے چہرتے ہئے دیکھتے رہے۔ باتِ اُدھی سے اُپر مسلک گئی تھی۔ آسان بہت صاف تھا اور ستاروں کی روشنی تیر ہو گئی تھی۔ تاریکی سے آشنا نیچیں اب اس پہاڑ کے ایک ایک پتھر کو دیکھ رہی تھیں۔ اسد نے سر مونڈ کر ریاض کی طرف دیکھا۔ رہاض کے چہرتے پر شراستِ نجیس کی مل جانی کیفیت تھی، جیسے کہہ رہا ہو، پھنسے تو بُرے تھے، مگر کامِ کمال بھی یاد تھے۔ اس نے کے دل میں اب کوئی غصہ نہ تھا۔ اس کے برعکس اُس نے پہلی بار، اتنے بلے خر سے کی آشناں کے بعد، ریاض کے لیے حصیقیِ رفات کے جذبات محسوس کیے۔ اُس نے ہاتھ اٹھا کر پیارے ریاض کی پیٹ پر ٹکڑا کا سایک گھونس جایا۔ ریاض نے گھوم کر دو انگلیاں اُس کے پیٹ میں جھوٹیں۔ اسد وہر اہو گیا۔ پھر دیر تک دہ اسی طرح جیپ چاپ پتھر چھاڑ کرنے پڑے پھر ایک دم رُک کر چوتھے بچوں کی مانند، سڑک پر کام کرتے ہوئے اُدیبوں کے سایوں کو دیکھنے لگے۔ اتنے ہیں افسوس یائیدہ جانب سے داپس آگئی۔ وہ آگر آن دونوں کے پاس ٹرکا اور کٹی لمحوں تک سڑک کو دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے سر گھما کر چیپے دیکھا، پھر دُس اور پانیں، پھر اُس نے اسد کے کندھے پر ہلکی سی تھیکی دہی اور بولا: «فرست کلاس اسد اور ریاض کچھ دور جا کر ایک پتھر پینچھے گئے۔ اُنسر اسی طرح کھڑا سڑک کی جانب دیکھتا رہا۔ اُس کا اُدھی اب زمین پر بٹھ کر پیٹے بھاری تھیں کہ ٹول رہا تھا۔

”اب کس کا انتظار ہے ہے اس نے بے صبری سے پوچھا۔

”رسانی کا“

در ابھی کئی گھنٹے ہیں۔

"بائی،" پاپا نے جواب دیا۔

”سرگ کے پار تو یہ جی نہیں ہے۔“ اس نے کہا۔

مکالمہ

اُدھر بھاگ کر جا سکتے ہیں :

”کیوں، مرنے کے لیے ہے؟“ ریاضن بولتا ہے۔ اس میدان میں تو گرینڈ پرپے کا، ہور ارپرے سے لش نش نش، اس نے ایک خیالی شیئن گن دونوں ہاتھوں میں آٹھا کر کندھے پر جانی اور لمبی والی انگلی تیر تیر پلانے لگا۔ لش نش نش نش نش۔ ریاضن نے خیالی شیئن گن ایک طرف رکھی اور سرفی میں ہلا کیا۔ ”ادنہوں۔ وہ تو آڑ ملاش کر کے، گاریوں کے پچھے چھپیں گے یا پھر دل کے پچھے۔ یا زمین پر لیٹ جائیں گے۔ پھر لش نش۔“ اس نے اپنے ہاتھ دوبارہ پوزیشن میں آٹھا کر لمبی والی۔ پھر وہ ہاتھوں کو اسی طرح آٹھائے آٹھائے یوں دہیں سے

”انگلی کیوں چلائے جا رہے ہو ہے“ اس نے کہا۔

” دو گوہاں مار رکھوں ۔ یا تین تین ستر نہیں رہے ہے ”

اچانک اسد کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے ریاض کی کمر پر با تھوڑا۔ اس کا شک صحیح بھلا۔ ریاض اپنی
شینگ کو ساتھ لے کر آیا تھا۔ اسد کو علم تھا کہ ان لوگوں کو جیسا یہ ساتھ لانے کی اجازت نہیں۔ اس بات
پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ اگر فوجیوں میں سے کسی کو، نہ اس طور پر افسر کو اس کا علم ہوگی تو کیا ہو گا ہے اور کچھ نہیں
تو گن تو ریاض سے بچن ہی جائے گی، یا چیزیں کو شش کی جائے گی اور ریاض تو اپنی گن کو با تھوڑی نہیں
لگانے دے گا۔ پھر ہے ریاض نے اسد کو تشویش سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا تو منہ پر ماتھ رکھ کر اسے
حُبِ رینے کا اشارہ کیا۔

”تم نے ان کی تکنیک دیکھی ہیں ہے اُس نے سرگوشی میں اسے پوچھا۔

اُدھر کمپ میں دکھوچکا ہوں۔

”ادھر پیپرے یہیں دیکھ پڑے ہوں۔“
”میری قرآن کے پاس کوئی بھی نہیں۔ اتنی سی ہیں،“ ریاض نے کہنی پڑا تھا رکھ کر آنکی لمبائی بتانی،
”کافد کی طرح بلکی ہیں۔ مگر بڑی شہین گن کا مقابلہ کرتی ہیں،“ ٹانگوں والی شہین گن کا۔ ”وہ لیچائی ہوئی نظر دس
سے اُس آدمی کی طرف دیکھنے لگا۔ حراؤ سے ذرا اور اپنے تھیلے میں سے چیزیں نکال نکال کر باہر رکھ رہا تھا۔
اسکے دار و مار گکا۔ وہ اس وقت ریاض کے خلاف نہ صاف طور پر ٹھہر رہا تھا۔

”تمہاری گنڈھیک مٹاکہ کے ہے۔“ اُس نے سرگوشی میں ریاضت سے کہا، ”تمہارے مطلب کے لیے اچھی ہے۔ چند سیکنڈ کے بعد وہ بولا، ”ولایتی ہے۔“

دوسرے نہیں کرق، ”رمادی اس آدمی کی طرف دیکھتا رہا۔“ اصلی گن تران کی ہے:

پہنچان پر کمیک آدمی کا سفردار ہوا، پھر اس کا وحشہ دکھائی دیا، اور وہ بے آواز پاؤں پر اس طرف گوڈ آیا۔ بیاض اور اسد اس کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ اس نے اچک کر دیوار کے اُپر سے دو تاروں کے بڑے اپنی طرف کھینچے اور کھینچتا ہوا نیچے تک لے گیا۔ تھیلے والے نے اور اس آدمی نے مل کر چاپک دستی

سے اندھیرے میں تاروں کے سرے بیٹھی میں فٹ کیے۔ افسر اس دوران گھنٹوں پر ماتحت رکھتے تھک کر کھڑا انہیں کام کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔

”اوکے پہ پھروہ بولا۔“

”اوکے، سر۔“ بیٹھی والے نے جواب دیا۔

افسر نے ماتحت لپا کر کے تاروں کو چھو کر دیکھا اور آٹھ کھڑا ہوا۔ اسد اور ریاض والوں اسکے پہنچنے پہنچ دیر دہان کھڑا رہنے کے بعد افسر اور تاروں والا آدمی ایک دوسرے کے چیخپے آپکر کر دیوار پر چڑھے اور دوسری طرف اتر گئے۔ اسد نے آٹھ کر نظر دوڑائی۔ وہ دونوں تاروں کے ساتھ ساتھ انہیں چیک کرتے ہوئے نیچے جا رہے تھے۔ جگہ جگہ پر ڈک کر افسر تاروں کی پوزیشن کو درست کرنا جا رہا تھا۔ پہنچ دیر کے بعد اسد کی نظر دھنڈ لگئی۔ وہ ریاض کے پاس مل پڑ گیا۔ اُس کے دل کی عجیب کیفیت تھی۔ اُس کے اندر خوشی اور غم کے ملے جعلے خیبات تھے۔ اُس کے خیال میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طور پر کیفیت سمجھائے، اسے محسوس کرے، اس کی حقیقت کجھے۔ اُس کے اندر ایک کھد بُدگی تھی۔ ریاض اور علام کے ہمراہ وہ ڈک والا واقعہ اس قدر ناگہماں طور پر روپیر ہوا تھا کہ خیبات آنا خانماں میں، جھنکے کسی کیفیت سے آئے تھے اور گزرا گئے تھے۔ اُس متنظر نے اُس کے ذہن پر شوخ چھاپے کی طرح اپنی شکل بنائی تھی اور پھر جلد ہی مدھم پُر نا شروع ہو گیا تھا۔ اب اس واقعے کی حقیقت کچھ اور تھی۔ یہ واقعہ ایسے رونما ہوا تھا جیسے کوئی بڑی محنت سے، ہماریکے جینی سے اس کے نقش اُس کے دل پر کشید کر رہا ہوا یک طویل اور خنک انتظار کے دوران جسپ کہ رات قدرہ قطرہ بھیگ کر رینگتی جا رہی تھی اور اس رات کی بے تابی اوس کی ماں سدا سد کی ٹہریوں میں بلکا ہمکا لغزیدہ درد پیدا کر چکی تھی، جب کہ فوجی افسر والوں اسکر آسی طرح اپنے پاؤں پر کھڑا ماتحت چیخپے باندھے اور ہر چڑی لگا رہا تھا اور ریاض چھر سے لیکر لگائے اونگھنے لگا تھا، اسے نے سوچا کہ یہ واقعہ اب سکیم کے مطابق عمل میں آئے خواہ نہ آئے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس کا نشان اُس کے دل میں گھرا اور مستقل ثابت ہو چکا تھا۔ اس رات کے اندر، چند منٹ کے عرصے میں اُس نے پینی دانیں اٹھ کر کرنے کے اوپر، سانپ کی زبان کی طرح مت کا سایہ لپکتا ہوا دیکھا تھا یا اس کا انتظار کیا تھا، اور اُس کی زد سے پچ کر تکل آیا تھا۔ اور یہ سایہ اُس کے ساتھی کا تھا جو اُس کا دشمن بھی تھا۔ اور اب ہے اب وہ خود، کچھ ان دیکھے لوگوں کی گھات میں، اسی مت کے سایہ کی ایک شکل کو ماتحت میں لیے دیکھا تھا۔ وہ اس سے کوئی کس طرح محسوس کرے اور سمجھے؟ جب رات میں ان لوگوں کی حرکت ڈک گئی اور انتظار شروع ہوا تو اُس

کا ذہن بٹ گیا تھا اور خیال اس محور کی جانب دوبارہ کھنچا جارہا تھا جو زندگی کے اسرار کا سکن ہے۔ کون سی صورت پتی ہے اور کون سی جھوٹی ہے وہ کس پر یقین کرے اور کس پر نہ کرے ہے یہ علت عمر بھر سے اُس کے ساتھ تکمیلی تھی اور موقع اُس کے راستے میں اکھڑی ہوتی تھی۔ وہ اپنے تردید کے اس بوجھ سے تھک چکا تھا۔ وہاں بیٹھے بیٹھے اُس نے اپنے ذہن کو صاف کرنے کی کوشش کی۔ اس کی ایک ہی صورت تھی، کہ بہت سے فالمتو جھاڑ جھنک کاڑ کر اکھڑ پھینک لے جائے۔ اسے ہمیشہ سے یہ حضرت رہی تھی کہ کبھی ایسا ہو کہ اُس کے دل میں صرف ایک خیال، ایک تصور یا ایک خذہ پرہ جائے، اور کچھ بھی نہ رہے، اُس کی زندگی پاک صاف اور روشن اور بے تردود ہو جائے۔ اُس کی یہ خواہش کبھی پوری نہ ہوئی تھی۔ صرف کبھی کبھی یہ خواہش اپنی شدت سے اُس کے ذہن میں روشنی کا ایک جھپٹا کا پیدا کرتی، جس کے اندر کرنی خیال، کوئی ایک تصور ایک لمحے کے لیے اُس کے اوپر رکشنا ہو جاتا۔ بچپن دہی بوجھ، وہی تردود۔

اُس وقت وہاں بیٹھے بیٹھے ایک اڑتے ہوئے لمجھے کو اسد کا ذہن شیشے کی مانند صاف ہو گیا۔ اُس نے محسوس کیا کہ اس وقت دنیا بھر میں اُسے صرف ایک بات کا یقین ہے کہ ریاض اُس کا بینت ہے۔ وہ جو آنے والے واقعات پر کھنکے دل سے خوشی کا اظہار کر کے اب آرام سے یک لگائے اونچھو رہا ہے، وقت پڑنے پر اسی آرام سے اُس کی خاطر جان بھی دے دے گا۔ اس بات کا اسے یقین تھا۔ اس بوجھل اور مستضاد دنیا میں چند چیزیں تھیں جو اُنکی دوستی میں سے ایک تھیں۔ اس نے بے اختیار با تحریر حاکم رہا اُس کے کندھے پر کہ دیا۔ ریاض نے اُنھیں کھول دیں۔

”کیا ہے؟“

”پچھے نہیں۔“ اس نے کہا۔

”تمہیں ترغیب نہیں آتی۔ سائنس نے میہمت ڈال رکھی ہے۔ کسی اور کو بھی سونے نہیں دیتے۔“

”میری سائنس بالکل صحیک ہے۔“

”صحیک ہے صحیک ہے کہتے رہتے ہو اور ساری رات خرخراتے رہتے ہو۔ جنتی کے پاس کیا ڈنڈیں گے تھے؟“

”تمہارے بس میں ہو تو اُس سے ڈنڈ بھی لے آؤ۔“

”لے آؤ یادے آؤ۔“ ریاض نے مزا لے کر کہا۔

”بُرے بے جا ہو۔“

”بے جیانی کی کیا بات ہے۔ دیکھا نہیں کیے تک ملک کر پتی ہے ہے؟“

”خواہ محواہ ہے سید حسین سدھی حلپتی ہے۔“

”تمہیں ان خود توں کی سختی نہیں۔ مجھے پوچھو۔ سات آسمانوں کی سیر بھی کراو دخوش نہیں ہوتیں۔

”نہ نہ ملکتی ہیں۔۔۔“

اس مشکل مquam پر بیٹھے، ایک ہلک رات کا طول کاٹتے ہوئے اسد کو آن بھگی باڑی میں نطف آنے لگا۔ ریاض کی باتیں سخنے کے لیے وہ جان پوچھ کر اُسے موقع مہیا کتارہ اور اُس کے نیم سرد اعضا میں حرارت کی پھر و ڈھنگی۔۔۔ بجلی اور آگ، اُس کے دل سے اُرتا ہوا خیال گزرا، خون اور خطرہ اور مرٹ رانوں کی لذت ایک تابہے۔ اگر جب ریاض اپنے عمر بھر کے قصے چند باڑی میں بیان کر کے، پدن کی پرشیاہ جگہوں کے نام لے لے کر اور آن کے دشترے جوڑ کر سیر گیا تو خوشی سے ہاڑ کر خوش ہو رہا۔ اسد کے چڑوں سے اویں کی غمی خارج ہو چکی تھی اور اُس کا ذہن صاف ہو گیا تھا۔ اب اُس کے اندر خون اور خطرے کی خالص لذت روایتی اور ذہن میں تیقین کی ایک اٹل صورت تھی۔

”ریاض؟ اُس نے زرم اواز میں لپکا را۔

”ہوں؟“

”ساری عمر میں میرے در درست بنے ہیں؟“

”اپھا ہے؟“

”دو نوں کا نام ریاض ہے：“

”ریاض اپھے ہوتے ہیں؟“

”اں؟“ اس نے خدا تعالیٰ پہنچے میں کہا۔

”ریاض ہنس پڑا؟“ دوسرا کون ہے؟“

”میرے ساتھ کامیج میں پڑھتا تھا۔“

”اب کیا کرتا ہے؟“

”اب بھی پڑھتا ہے۔“

”انتے سال سے پڑھتی رہا ہے؟“

”ہاں۔ وکیل بنے گا۔“

”وکیل ہے۔ ریاضی نے مرحوب ہر کر پوچھا۔

”و پندرہ سو لہ سال پڑھا پڑتا ہے۔“

”کب بنتے گا؟“

”تین چار سال میں۔“

”تم بھی وکیل بن سکتے ہو؟“

”ہاں۔ اگر پڑھا جاؤں تو۔“

”تو کیوں نہیں غستے ہے۔“ ریاضی نے پوچھا، ”یا اب افسر نہ گئے اور ہر“

”میں تو عارضی ہوں۔“ اس نے کہا، ”پرانی بُری لے کر چلا جاؤں گا۔“

”کیا کرو گے دہاں ہے۔“ ریاضی نے پوچھا، ”بُری کھاو گے ہے۔“ وہ ہنسنے لگا۔

”پکھڑ پکھڑ کروں گا۔“ اس نے جواب دیا۔

”اوھر کیوں نہیں رہ جاتے ہے۔“

”اوھر نہیں رہ سکتا۔“

”یکوں ہے۔“

”کیا کروں گا۔ میں عارضی ہوں۔“ اس نے کہا، ”اوھر میرا گھر ہے۔“

”اوھر کیا کرو گے ہے۔“ ریاضی نے دُہرا کر پوچھا۔

”انجام میں کام کروں گا۔“

”خبریں سمجھنے کا کام؟“

”ہاں۔“

”و کسی بُرے شہر میں ہی کرو گے۔“

”ہاں۔“ اس نے کہا، ”و کسی بُرے شہر میں۔“

ریاضی خاموش ہرگیا۔ اس نے خیال کیا کہ شاید ریاضی اپنے تصور میں اُسے کسی بُرے شہر کے اندر خبریں لکھتے ہوئے دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پکھڑ دیکھ کے بعد ریاضی نے جائی لی اور دوبارہ ٹیک لگا کر اوٹ گھسنے لگا۔ اس نے آسمان پر نظر ڈالی۔ یا سیکن کے چہرے آسمان میں گڑے تھے۔ اس کا انگلیں جھبر جھبر اٹھا۔ یہ اجاؤ کیسا ہے؟